"پطرس کے مضامین" میں فکشن کے عناصر

امجد علی☆
Amjad Ali
فضل کبیر☆☆
Fazal Kabir

Abstract:

Pitras Bukhari's book with the title " Pitras kay Mazameen" is one of the valuable asset of Urdu literature. His writing falls in literary genera called essay. But these can only roughly be called essays because they lack certain characteristics of essays. The plot, unity of effect, the story and the dialogues give these writings a flavor of fiction. This research aims at presenting an analytical study of his writings in the light of most appropriate definition of essay and fiction.

Key words:

Essay, Plot, Unity of effect, Story, Dialogues, Fiction, Research.

ادب کی مختلف اصناف میں مسلسل ہیئت اور فکری سطح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ بعض تجربات کو قبولیت ملتی ہے اور بعض وقتی اُبال ثابت ہو کر روایت کی شکل اختیار نہیں کر پاتے۔ اِن تجربات کی وجہ سے اصناف ادب کی کوئی مستقل اور غیر مبدّل شکل وصورت برقرار نہیں رہتی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کسی بھی صنف ادب کے لئے کوئی قطعی تعریف وضع کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ علماء ادب و فن اپنے طور پر ان اصناف کی جو تعریفیں وضع کرتے ہیں اُن سے اِن کی ان نمایاں خصوصیات کی وضاحت ہوتی ہے۔ جن کی روشنی میں ایک صنف کو دوسری صنف سے الگ پہچانا جاسکتا ہے۔

پطرس بخاری کے گیارہ تحریروں پر مشتمل مجموعہ "پطرس کے مضامین" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ عام طور پر ان تحریروں کو مضامین ہی کہا جاتا ہے لیکن مضمون کے فنی لوازمات کو سامنے رکھتے ہوئے ان تحریروں کو ہم بلا تامل مضامین نہیں کہہ سکتے۔ مضمون کا مزاج معلوماتی ہوتا

☆ لیکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ جہانزیب کالج سوات

☆☆ لیکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ جہانزیب کالج سوات

ہے۔ اس میں موضوع سے متعلق معلومات کا مربوط اظہار ہوتا ہے اور عام طور حاصل بحث یا نتیجے پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ رفیع الدین ہاشمی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”کسی متعین موضوع پر اپنے جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کے لئے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ مضمون کی بالعموم ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ سب سے پہلے زیر بحث مسئلے کا تعارف کیا جاتا ہے۔ پھر اِس کی مخالفت یا حمایت میں دلائل دیئے جاتے ہیں۔ اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جاتا ہے۔ بعض مضامین تاثراتی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اُن میں ایسی ترتیب اور دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ ہر مضمون کے لئے نظم وضبط، توازن اور تناسب ضروری ہے۔“(۱)

”پطرس کے مضامین“ کی تمام تحریروں کا آغاز کسی موضوع کے تعارف کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ ہی اِن میں کسی موضوع کے بارے میں معلومات کا مربوط اِظہار ہے۔ ان تحریروں کا خاتمہ بھی کسی نتیجے یا حاصل بحث پر مبنی نہیں بلکہ اِس کے برعکس اِن میں ایک کہانی سر اُٹھاتی ہے، آگے بڑھ کر نقطہ عروج پر پہنچتی ہے، اور پھر سُلجھاؤ کے مرحلے میں داخل ہو کر ایک مناسب موڑ پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ وحدت تاثر، کہانی پن اور تخیّل اِن نگارشات کو فکشن کے دائرے میں لے آتے ہیں۔ فکشن سے عام طور پر ناول اور افسانہ مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر انگریزی زُبان کی اصطلاح ہے۔ اُردو میں اس کا متبادل ”افسانوی ادب“ مستعمل ہے۔ مارٹن گرے اپنی لغت میں فکشن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> Fiction means things imagined opposed to fact. Fiction is now a days used for novels and stories collectively.

انسائیکلوپیڈیا امریکانہ میں فکشن کی وضاحت اس انداز میں ہے:

> Fiction is narrative literature created from the author's imagination rather than from fact. The novel and short story are literary forms most commonly called fiction.

اِن تعریفوں کی رو سے فکشن میں تخیّل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ناول اور مختصر افسانہ اس کی نمائندہ مثالیں ہیں۔ اشفاق احمد ورک نے اصناف ادب میں ڈاکٹر ارتضیٰ کریم کی ایک رائے نقل کی ہے جس کے مطابق فکشن کا دائرہ ناول اور افسانے سے بڑھ کر دیگر اصناف ادب کا بھی احاطہ کرتا ہے:

"فکشن۔۔۔ایسی تحریر جس میں کسی واقعہ، کہانی یا افسانے کو بیان کیا جائے، فکشن کے زمرے میں آئے گی۔ اسی لئے اس کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اس میں حکایت بھی شامل ہوتی ہے اور تمثیل بھی۔ داستان ناول اور افسانہ (طویل یا مختصر) بھی، ناول بھی اور ڈرامے بھی۔ یہاں تک کہ منظوم داستانیں بھی اور ایسی مثنویاں بھی جن میں قصہ پن کا عُنصر ملتا ہے۔"(۲)

مندرجہ بالا تعریفوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی تمام تحریریں جن میں کہانی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہو فکشن کے زُمرے میں آتی ہیں۔ ہر کہانی کا اپنا آغاز، اُٹھان اور انجام ہوتا ہے۔ واقعات میں سبب و نتیجہ کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ واقعات اشخاص کو پیش آتے ہیں جو کردار کہلاتے ہیں۔ کرداروں کی گفتگو سے کہانی آگے بڑھتی ہے اور اُن کے خیالات سے آگاہی ملتی ہے۔ کہانی کی پیشکش کی مختلف صورتیں ہیں۔ جن میں بیانیہ انداز، خطوط کی تکنیک اور واحد متکلم کی تکنیک بہت عام ہیں۔

"پطرس کے مضامین" کے اندر فکشن کے یہ تمام عناصر موجود ہیں۔ اختصار اور وحدت تاثر کی وجہ سے یہ تحریریں فکشن کی دیگر صورتوں کی نسبت افسانے سے زیادہ قریب ہیں لیکن اِن تحریروں کی اشاعت "پطرس کے مضامین" کے نام سے ہوئی اور پطرس کے مخصوص اُسلوب نے قارئین کو مزاح اور لطافت کے ایسے ذائقے سے آشنا کیا ہے کہ سب اِن سے حظ اُٹھاتے رہے اور کسی کو اِن کی فنی حیثیت کے بارے میں غور کرنے کا ہوش نہ رہا۔ ڈاکٹر مظہر احمد نے ۲۰۰۹ء میں مزاحیہ افسانوں کا ایک انتخاب ایم آر پبلی کیشنز دہلی سے شائع کیا ہے۔ اس انتھالوجی میں کل بیس منتخب افسانے شامل کئے گئے ہیں۔ مقدمے میں فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"ایسے مضامین جن میں کہانی کے تمام عناصر موجود ہوں۔ اور افسانے کے ایک اہم جُز یعنی وحدت تاثر کی واضح پہچان ہو، نیز کہانی بامعنی و بامقصد اختتام سے ہم کنار ہو۔ ایسے مزاحیہ مضامین دراصل افسانہ کے ذیل میں رکھے جانے چاہیئے اور ہم نے ایسے ہی کئی مضامین کو اس انتخاب میں جگہ دی ہے۔"(۳)

تعجب کی بات ہے کہ اِس انتخاب میں پطرس کا کوئی افسانہ شامل ہے اور نہ ہی اُردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے پطرس کا نام لیا گیا ہے۔ حالانکہ اُردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت پطرس بخاری کے نام کے بغیر مکمل قرار نہیں دی جاسکتی۔ اور خاص طور پر جب مزاحیہ مضامین اور نثر کی بحث ہو تو میرے خیال میں اُس کا ذکر لاینفک بن جاتا ہے۔

"پطرس کے مضامین" کا پہلا مضمون "ہاسٹل میں پڑنا" کے عنوان سے ہے۔ ایک کامیاب افسانے کی طرح اس کا آغاز قاری کو اپنے سحر میں لے لیتا ہے اور آگے پڑھنے پر آمادہ ہی نہیں مجبور بھی کرتا ہے۔

> "ہم نے کالج میں تعلیم ضرور پائی اور رفتہ رفتہ بی اے پاس کر لیا لیکن اس نصف صدی کے دوران میں جو کالج میں گزارنا پڑی، ہاسٹل میں داخل ہونے کی اجازت ہمیں صرف ایک ہی مرتبہ ملی۔ خدا کا یہ فضل ہم پر کب اور کس طرح ہوا؟ یہ سوال ایک داستان کا محتاج ہے۔"(۴)

اس کہانی کا مرکزی کردار مصنف خود ہے۔ واحد متکلم کی تکنیک اختیار کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسے طالب العلم کی کہانی ہے جو ہاسٹل میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اپنے والدین کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہاسٹل میں داخلے کی اجازت نہیں ملتی۔ اُس کا کوئی فلسفہ، کوئی منطق کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ اور اُسے مجبوراً اپنے ماموں کے ہاں رہنا پڑتا ہے۔ بی اے کے تمام پرچوں میں تمام ممکنہ طریقوں سے فیل ہونے کے بعد کالج میں جب اس کا ایک سال رہتا ہے تو پھر سے دل میں ہاسٹل میں رہنے کا خیال انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔

> "۔۔۔خیال آیا کہ وہ ہاسٹل قصّہ پھر سے شروع کرنا چاہئے۔ اب تو کالج میں صرف ایک ہی سال رہ گیا ہے۔ اب بھی ہاسٹل میں رہنا نصیب نہ ہوا تو عمر بھر گویا آزادی سے محروم رہے۔ گھر سے نکلے تو ماموں کے ڈربے میں اور ماموں کے ڈربے سے نکلے تو شاید اپنا ایک ڈربا بنانا پڑے گا۔ آزادی کا ایک سال صرف ایک سال۔ اور یہ آخری موقع۔"(۵)

اس تحریر میں ایک منظم پلاٹ موجود ہے۔ زندگی سے متعلق نقطہ نظر، اختصار اور وحدت تاثر جیسی خصوصیات اس تحریر کو افسانے کے ضمن میں شمار کرنے کا قابل بناتی ہیں۔

اس مجموعے کی دوسری تحریر "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی" ہے۔ یہ ماہنامہ پنکھڑی (لاہور) بابت جولائی ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "پطرس نے اپنا پہلا افسانہ "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی" ۱۹۲۵ء میں لکھا اور یہ اُسی وقت شائع ہو گیا تھا۔ اس کا موضوع واقعے کی حد تک صرف اتنا ہے۔ کہ بعض سادہ لوح مگر دھن کے پکّے لوگ اپنے دوستوں اور گردوپیش کی معمولی سی معمولی باتوں پر بھی سنجیدگی سے توجہ دیتے ہیں۔ اگر اُن کو دھوکے سے ایک بار کہہ

دیجئے کہ صبح تڑکے مجھے جگادیجئے۔ تووہ سختی سے اس پر کاربند ہو جائیں گے۔ آپ بیمار ہوں، تھکے ماندے ہوں، سخت سردی ہو، بارش ہو رہی ہو، رات کو دیر سے سوئے ہوں، صبح تڑکے کہیں اور جانا ہو، شادی و غم کے سلسلے کی کوئی اہم مصروفیت ہو، اِن باتوں کا اُن بزرگ کو کوئی احساس نہیں ہو گا۔ صبح تڑکے جگانے کے لئے پہنچ جائیں گے۔"(۶)

اس افسانے کے آغاز کو کسی طرح مضمون کا ابتدائیہ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک منظم پلاٹ کے علاوہ لالہ کرپا شنکر جی برہمچاری کا کردار ایک کرداری افسانے کی طرح ایک ناقابل فراموش کردار ہے۔ لمبی چھوڑی تمہید کی بجائے پطرس نے بڑی سادگی سے کہانی کا آغاز کیا ہے:

"گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپا شنکر جی برہم چاری سے بر سبیل تذکرہ کہ بیٹھے "لالہ جی امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں۔ آپ سحر خیز ہیں ذرا ہمیں بھی جگا دیجئے۔"(۷)

فکشن کی دیگر اصناف مثلاً ناول اور داستان کے برعکس افسانے میں اختصار کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ افسانے کے مختصر کینوس میں کرداروں کی شخصیت اور خدوخال واضح کرنے کی بھی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔ اس افسانے میں ایجاز و اختصار کے ساتھ مکالموں کے عمدہ نمونے بھی ملتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

"لالہ جی!"

لالہ جی!

جواب آیا"ہوں"

میں نے کہا"آج کیا بات ہے کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے"۔

کہنے لگے "تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے"۔

تین بجے کا سُن کر ہوش گم ہوگئے چونک کر پوچھا"کیا کہا تم نے؟ تین بجے ہیں؟"

کہنے لگے "تین۔۔۔۔تو۔۔۔ نہیں۔۔۔۔کچھ سات ساڑھے سات منٹ اوپر تین ہیں۔۔۔"

میں نے کہا" ارے کم بخت، خدائی فوج دار، بد تمیز کہیں کے، میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا ---یا پھر یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا---تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے ؟---"(۸)

عام مضمون میں اس قسم کی مکالمہ نگاری کی گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسرے روز لالہ کے ساتھ جو مکالمہ ہوا وہ بھی بہت خوبصورت ہے۔ پطرس کا بھولپن کا سا انداز اس کو اور بھی دلکش بنا دیتا ہے۔

تتلا کہ درخواست کی "لالہ جی، صبح آپ کو بڑی زحمت ہوئی، میں آپ کا بڑا ممنون ہوں۔ کل اگر مجھے چھ بجے یعنی جس وقت چھ بجیں---"

جواب ندارد---

میں نے پھر کہا---"جب چھ بج چکیں تو---سنا آپ نے؟"

چپ---

"لالہ جی---!"

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا۔"سن لیا چھ بجے جگادوں گا۔ تھری گاما پلس فورا یلفا پلس---"

ہم نے کہا" ب---ب---ب---بہت اچھا---"(۹)

اس تحریر کو ہم کسی طرح مضمون نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اِن خصوصیات کے ہوتے ہوئے افسانے کے بغیر ہم اس کو کوئی اور نام نہیں دے سکتے۔

تیسری تحریر"کتّے"ہے۔اس تحریر میں کتے کو نئے زاوئے سے دیکھا گیا ہے۔ اُس نے کتوں کے بارے میں ذاتی خیالات اور تاثرات اپنے مخصوص اُسلوب میں پیش کئے ہیں۔ افسانوی فضا یہاں بھی موجود ہے۔ لیکن ایک مربوط کہانی یہاں موجود نہیں۔ فنی لحاظ سے یہ انشائیہ (Personal Essay) سے زیادہ قریب ہے۔

"اُردو کی آخری کتاب" اس مجموعے کی اگلی تحریر ہے۔ اس کے تین حصّے ہیں۔"ماں کی مصیبت"، "کھانا خود بخود پک رہا ہے۔" اور "دھوبی کپڑے دھو رہا ہے"۔اِن تینوں میں تحریف نگاری کے ذریعے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہاں بھی کہانی پن کا عُنصر بہت نمایاں ہے۔

"ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے، باپ خوش ہو کر انگوٹھا چوس رہا ہے۔ اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ بچہ حسب معمول آنکھیں کھولے پڑا ہے، ماں محبت بھری نگاہوں سے اُس کو تک رہی ہے۔"(۱۰)

اس منظر میں بھی کہانی پن کا انداز نمایاں ہے۔ ممتا کے بے لوث جذبے اور غیر مشروط محبت کو اختصار کے ساتھ بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ "کھانا خود بخود پک رہا ہے" میں بیوی کی خانہ داری کی مصروفیات کی ایک جھلک دکھائی ہے۔ "دھوبی کپڑے دھو رہا ہے" کا انداز بھی مضمون سے مختلف ہے۔

"میاں دھوبی! یہ کتّا کیوں پال رکھا ہے؟ صاحب کی کہاوت کی وجہ سے، اور پھر یہ تو ہمارا چوکیدار ہے، دیکھئے! امیروں کے کپڑے میدان میں پڑے ہیں، کیا مجال کوئی تو پاس آجائے، جو لوگ ایک دفعہ کپڑے دے جائیں پھر واپس نہیں لے جاسکتے، میاں دھوبی! تمہارا کام بہت اچھا ہے۔ میل کچیل سے صاف کرتے ہو بالکل ننگا پھراتے ہو۔"(۱۱)

"میں ایک میاں ہوں" ایک فرمان بردار شوہر کی کہانی ہے جس کا دل خوف اہلیہ سے لبریز ہے۔ آوارہ دوستوں کی وجہ سے اُس کے گھر میں ہمیشہ تناؤ کی کیفیت رہتی ہے۔ کہانی کا تمہیدی حصہ کافی طویل ہو گیا ہے لیکن پطرس کا سحر کار قلم قاری کو آگے پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ فضابندی کے بعد وہ کہانی کو فنکاری سے آگے بڑھاتا ہے۔

"تین چار دن کا ذکر ہے کہ صبح کے وقت روشن آراء نے مجھ سے میکے جانے کے لئے اجازت مانگی۔ جب سے ہماری شادی ہوئی ہے روشن آرا صرف دو دفعہ میکے گئی ہے اور پھر اُس نے کچھ اس سادگی اور عجز سے کہا کہ میں انکار نہ کرسکا کہنے لگی۔ "تو پھر میں ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے چلی جاؤں؟"
میں نے کہا۔ "اور کیا؟"، "(۱۲)

بیوی کو سٹیشن پر رخصت کرکے میاں خوشی خوشی کلب چلا جاتا ہے، دوستوں کے ساتھ تھیٹر جاتا ہے، دیر تک سوتا ہے، لیٹے لیٹے حجامت بنوانے کے لئے حجام کو پاس بلاتا ہے لیکن اُسے وہ سُرور نصیب نہیں ہوتی جس کی اُسے توقع تھی۔ اس لئے وہ اپنی بیوی کو فون کرکے گھر بلاتا ہے۔ اسی دوران وہ اپنے دوستوں کے پاس چلا جاتا ہے۔ تاش کھیلنے کے لئے مرزا کے ہاں جمع ہونے کا پروگرام بنتا ہے لیکن وہاں اتفاق سے مہمان ہوتے ہیں۔ اس لئے طے پاتا ہے کہ سب اُس کے گھر

جمع ہو جائیں کیونکہ اُس کا گھر خالی ہے۔ چنانچہ سب جمع ہوتے ہیں اور محفل جمتی ہے۔ تاش کی بازیاں کھیلی جاتی ہیں اورآخر میں ایک ایسی کھیل تجویز کر دی جاتی ہے کہ جس کے آخر میں ایک آدمی بادشاہ،ایک کوتوال اور ایک چور بن جاتا ہے۔چور کے لئے یہ سزا مقرر ہوتی ہے کہ اسے کاغذ کی ایک لمبوتری ٹوپی پہن کر اور چہرے پہ سیاہی مل کر اندر سے حقے کی چلم بھر کر لانا ہو گا۔اور بدقسمتی سے "میاں" چور بنتا ہے۔اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ پطرس کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

"صحن میں پہنچے ہی تھے کہ باہر کا دروازہ کھلا اور ایک برقعہ پوش خاتون اندر داخل ہوئی،منہ سے برقعہ الٹا تو روشن آرا!۔۔۔اپنی یہ حالت کہ منہ پر سیاہی ملی ہوئی ہے، سرپر لمبوتری سی کاغذ کی ٹوپی پہن رکھی ہے اور ہاتھ میں چلم اٹھائے کھڑے ہیں،اور مردانے کمرے سے قہقہوں کا شور برابر آرہا ہے۔"(۱۳)

اس تحریر میں وقوعہ کو جس انداز میں اُبھارا گیا ہے اس سے خود بخود ایک پلاٹ تشکیل پا گیا ہے۔شوہر (میاں) کا کردار اور مکالموں کے نمونے اس تحریر کو فکشن کے تحت شمار کرنے میں تائیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

اس مجموعے کی اگلی تحریر کا عنوان "مرید پور کا پیر" ہے۔اس تحریر کو افسانے کے علاوہ کوئی دوسرا نام دینا تنقیدی بددیانتی ہو گی۔کیونکہ اس میں ایک کامیاب افسانے کے جملہ لوازمات موجود ہیں۔پلاٹ، کردار، منظر کشی اور وحدت تاثر کا اہتمام واضح طور پر موجود ہے۔واقعات کے بیان پر پطرس کی گرفت مضبوط ہے۔وہ اپنے ہیرو سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرتا ہے اور آخر میں اُس کو ناکام دکھا کر ایک مزاحیہ انجام سے کہانی کو ہم کنار کرتا ہے۔

"انجام بخیر"میں ڈراما کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ مختلف مناظر اور مکالموں کی صورت میں کہانی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔

"سنیما کا عشق" کے ابتدائی حصے میں پطرس نے خود اسے مضمون کہا ہے:

"،"سنیما کا عشق" عنوان تو عجیب ہوس خیز ہے لیکن افسوس کہ اس مضمون سے آپ کی تمام توقعات مجروح ہوں گی،کیونکہ مجھے تو اس مضمون میں کچھ دل کے داغ دکھانے مقصود ہیں۔"(۱۴)

لیکن یہ تحریر بھی مضمون کی عام تعریف پر پوری نہیں اُترتی۔اس میں ایک ایسے شخص کی نفسیات کی خوبصورت عکاسی کی گئی ہے جو فلم بینی کا حد درجہ مشتاق ہے۔بڑی بے تابی سے فلم

دیکھنے کے لئے اپنے دوست کے ساتھ جاتا ہے لیکن اُس کا دوست مرزا اپنی فطری سستی اور دیر کرنے کی عادت سے اُسے خوب تڑپاتا ہے۔ ہر فلم کے اختتام پر وہ آئندہ فلم نہ دیکھنے یا کم سے کم مرزا کے ساتھ نہ دیکھنے کا مصمّم ارادہ کرتا ہے لیکن اچھی فلم کا اشتہار دیکھنے کے بعد پھر مرزا کے پاس چلا جاتا ہے اور پھر وہی سے گفتگو شروع ہوتی ہے کہ کیوں بھئی مرزا اگلی جمعرات کو سنیما چلو گے نا۔؟

''میبل اور میں'' میں ظاہر و باطن، اصلیت اور امر واقعہ کے تضاد کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس تحریر کی افسانویت کے بارے میں مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> ''میبل اور میں'' پطرس بخاری کا واحد مضمون ہے جسے افسانہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ''عشق کی خودکشی'' ابتداء میں ہی باقاعدہ افسانے کے طور پر شائع ہوا۔ پلاٹ اور باقاعدہ کردار نگاری کے فقدان کے باعث پطرس کی باقی تحریریں کبھی مضمون کہلائیں کبھی انشائیے۔ جب کہ میں ''ہاسٹل میں پڑھنا''، ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' اور ''مرید پور کا پیر'' کو افسانہ ہی سمجھتا ہوں۔''(۱۵)

''مرحوم کی یاد میں'' میں معاشی ناآسودگی اور دوستوں کی کرم نوازی کے پردے میں دغابازی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ کہانی سادہ بیانیہ کی صورت میں ہے جو واحد متکلم کے مرزا سے مکالموں کی صورت میں آگے بڑھتی ہے۔ راوی سواری کی ضرورت شدّت سے محسوس کرنے پر موٹر کار خریدنے کا ارادہ اپنے دوست مرزا پر ظاہر کرتا ہے۔ روپوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے مرزا اپنی سائیکل مفت رکھنے کا مشورہ دیتا ہے۔ راوی خودداری کی وجہ سے مفت لینے کی بجائے چالیس روپے ادا کرتا ہے۔ سائیکل انتہائی خستہ حال ہوتی ہے۔ مرمت کے لیے لے جانے اور وہاں پیش آنے والے واقعات کی وجہ سے راوی کو شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔ نتیجتاً وہ سائیکل کو دریا برد کرتا ہے۔ واقعات کی ترتیب میں جھول نہیں ہے۔ وحدت تاثر آخر تک قائم رہتا ہے۔

آخری تحریر ''لاہور کا جغرافیہ'' میں مزاح کے حربے تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ جغرافیہ کی نصابی کتب کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔ اور اس میں شہر کی گنجان آبادی، صنعت و حرفت اور ذرائع آمد و رفت پر مزاحیہ انداز میں معنی خیز تبصرہ کیا گیا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے یہ مضمون فکشن کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مجموعی طور پر اس مجموعے میں ''کتے'' اور ''لاہور کا جغرافیہ'' ایسے مضامین ہیں۔ جن میں قصہ پن، کردار اور مکالمے نہیں۔ باقی تمام تحریریں فنی لحاظ

سے مختصر افسانے سے مماثل ہیں۔ "پطرس کے مضامین" کے بارے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"انھوں نے تخیّلی پرواز کی مدد سے چھوٹے چھوٹے تقریباً ایک درجن مضامین لکھے ہیں اور ان کی اشاعت بھی "مضامین پطرس" ہی کے نام سے ہوئی۔ لیکن ان مضامین کی نوعیت وہ نہیں جو کسی علمی و ادبی موضوع، شخصیت، یا افراد و کتب کے بارے میں لکھے جاتے ہیں۔ یہ مضامین بحثیت مجموعی اس رنگ و آہنگ سے بھی الگ ہیں جن کے لئے پچھلے چند برسوں میں "انشائیہ" کی اصطلاح ایجاد ہوئی ہے۔۔۔ سوانحی شذرات سے بھی " پطرس کے مضامین" کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا شمار نثری ادب کے کس صنف میں ہونا چاہیئے۔ اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ ہے کہ پطرس کے مضامین حقیقت میں مزاحیہ افسانے ہیں۔ موضوع، مواد، نوع، کردار، جزئیات اور طرز بیان، ہر اعتبار سے وہ افسانے ہی کے موضوع میں آتے ہیں۔"(۱۶)

حوالہ جات

۱۔ اس مطا: رفیع الدین، اصناف ادب، ص:۴۲
۲۔ علی محمد خان، اشفاق احمد ورک، اصنافِ نظم و نثر۔ ص:۱۹۳
۳۔ مظہر احمد، ڈاکٹر "اُردو کے مزاحیہ افسانے"، دہلی ۲۰۰۹ء ص:۱۱
۴۔ احمد شاہ پطرس بخاری، "کلیات پطرس "مرتبہ ،تنویر حسین، خزینہ علم و ادب، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۲۹
۵۔ ایضاً، ص:۳۹
۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، "اُردو افسانہ اور افسانہ نگار" الوقار پبلی کیشنز لاہور، ص:۵۳
۷۔ احمد شاہ پطرس بخاری، "کلیاتِ پطرس " مرتبہ ،تنویر حسین، خزینہ علم و ادب، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۴۱
۸۔ ایضاً، ص: ۴۲
۹۔ ایضاً، ص:۴۴
۱۰۔ ایضاً، ص:۳۹
۱۱۔ ایضاً، ص:۴۱
۱۲۔ ایضاً، ص:۵۹
۱۳۔ ایضاً، ص: ۶۳
۱۴۔ ایضاً، ص:۸۲
۱۵۔ حامد بیگ، ڈاکٹر، اُردو افسانے کی روایت (۱۹۰۳تا۲۰۰۹ء)، ص:۱۰۵
۱۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، "اُردو افسانہ اور افسانہ نگار" الوقار پبلی کیشنز لاہور، ص:۵۱

مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پطرس بخاری نے اگرچہ شعوری طور پر افسانہ لکھنے کی کوشش نہیں کی لیکن اُس میں کہانی بُننے کی خداداد صلاحتیں موجود تھیں۔ جس کی وجہ سے ان کی اِن تحریروں میں فکشن کے عناصر خود بہ خود در آئے ہیں وہ جن تحریروں کو مضامین سمجھتا ہے وہ اصل میں افسانے ہیں۔